بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

"النباء العظیم" کیا ہے؟

"النباء العظیم" کی اکیس قسطیں نکل چکی ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ ابھی کتنی قسطیں اور نکلیں گی۔ اس سلسلہ کی اس درازی کے باعث، قارئین کے ذہن میں مختلف قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ اس کا مقصد اور غرض وغایت کیا ہے؟ اسی سلسلے کے باعث نظرات میں ملک کے مختلف مسائل و معاملات کی نسبت جو اظہار خیال ہوتا تھا اور جو عام طور پر دلچسپی کا باعث تھا۔ یہاں تک کہ بعض حضرات تو پورے رسالہ میں صرف اسی کو پڑھتے تھے وہ بالکل ختم ہو گیا۔ النباء العظیم کے ماتحت جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ دراصل ایک کتاب کا مضمون ہے۔ ایک رسالہ کے صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ یہ اور اس نوع کے بعض دوسرے سوالات ہیں جو قارئین کے ذہن میں ابھرتے ہوں گے۔ اور بعض دوستوں نے خطوط کے ذریعہ اور بعض حضرات نے زبانی اس کا اظہار کیا بھی ہے۔ اس بنا پر آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کی صحبت میں اس پر گفتگو کر لی جائے۔

جیسا کہ قارئین کو علم ہے۔ اس سلسلہ کے آغاز کا اصل باعث اور داعیہ ۱۹۶۹ء میں احمد آباد

کے نہایت شدید اور ہولناک فسادات تھے۔ گذشتہ بیس بائیس برس کے فسادات کی طویل فہرست میں احمد آباد کے فسادات کا اضافہ ایک اتنا عظیم حادثہ تھا جس نے راقم الحروف کے فکر وخیال کی دنیا کو بالکل زیروزبر اور تہہ و بالا کر کے رکھ دیا اور جب ان کے اسباب وعلل اور عواقب ونتائج پر غور کرنا شروع کیا تو سب سے پہلے جو سوالات دماغ میں ابھرے وہ یہ تھے:

(۱) حکومت کے بار بار اعلان اور فسادات کی روک تھام کی یقین دہانیوں اور قومی یکجہتی جیسے اداروں کی کوششوں کے باوجود یہ فسادات بند کیوں نہیں ہوتے؟

(۲) جو لوگ فسادات کو پسند نہیں کرتے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو فسادات پیدا کرتے اور فتنہ انگیزی کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس معاملہ میں اکثریت بیدخل رہتی ہے اور اس بنا پر اقلیت جو چاہتی ہے کر گذرتی ہے۔

(۳) مسلمانوں کے لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ فلاح وبہبود اور دینی ودنیوی امن وامان اور کامرانی وکامیابی کا وعدہ ہے۔ تو پھر اگر وہ وعدہ صحیح ہے تو پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان اس "خیر امۃ" کا ہرگز مصداق نہیں ہیں جس کے لیے قرآن میں یہ سب کچھ وعدے کیے گئے ہیں۔ اور بصورت دیگر مسلمان واقعی ان اوصاف وکمالات کے حامل ہیں جو مسلمانوں کے لیے قرآن میں بیان کیے گئے ہیں۔ تو پھر معاذ اللہ قرآن کی صداقت پر حرف آتا ہے۔

جب ان سوالات پر غور کرنا شروع کیا تو جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ آج کل حکومت لامذہبی ہو یا مذہبی بہرحال اس کا اپنا مذہب بجز سیاست کے کچھ اور نہیں ہوتا۔ اور سیاست نام ہے صرف اقتدار کو حاصل کرنے کا اور جب وہ حاصل ہو جائے اس کو قائم وبرقرار رکھنے کا۔ یہ اقتدار اگر شخص واحد کے ہاتھ میں ہو تو اسے ڈکٹیٹرشپ یا آمریت کہتے ہیں۔ اور اگر چند افراد کے ہاتھ میں ہو جو سب مل جل کر ایک پارٹی کہلاتے ہیں تو اس کا نام جمہوریت ہے۔ اقتدار اگر شخص واحد کے ہاتھ میں ہو تو جس طرح ذاتی طور پر اس کے نیک وبد ہونے پر نظم ونسق کے اچھے اور برے ہونے کا دارومدار ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر اقتدار کسی پارٹی کے ہاتھ میں ہو تو نظم ونسق

کی عمدگی اور خرابی کا دار و مدار اس پارٹی کے افراد کے نیک و بد ہونے پر ہوتا ہے لیکن نیکی اور بدی کا یہ فرق و امتیاز صرف حصولِ اقتدار کے بعد ظاہر ہوتا ہے جہاں تک اقتدار کو حاصل کرنے کی تدبیروں اور کوششوں کا تعلق ہے تو وہ ایک حمام ہے جہاں نیک و بد دونوں برہنہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ یہ ایک ایسی المناک حقیقت ہے کہ تاریخ اقوام و ملل کا ہر صفحہ اس کی شہادت بہم پہنچاتا ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کو کیسا ہی ولی صفت بادشاہ کہیئے۔ لیکن اس نے بھی اورنگ نشین ہونے کی خاطر باپ بھائیوں اور بھتیجوں کے ساتھ وہی کیا جو اس قسم کے حالات میں تیمور لنگ یا نادر شاہ کرتے۔ اس بنا پر ایک حکومت یا کسی حکمراں پارٹی سے انصاف یا خوش معاملگی کی توقع صرف وہی ایک فرقہ یا جماعت کر سکتی ہے جس کو حکمران پارٹی کے حصولِ اقتدار اور اس کے بعد اس کے قیام و بقا میں کوئی مثبت عمل دخل اور اثر و نفوذ ہو۔ یہ اکثریت کا اعتماد یا بے اعتمادی جیسے ہم اکثر سنتے اور اخبارات میں پڑھتے ہیں اس کی منطقی تحلیل کیجئے تو بجز اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ حکمران پارٹی اپنی پالیسی اور عمل سے ان لوگوں کو خوش ناخوش رکھتی ہے جن کے ہاتھ میں اقتدار دینا یا چھین لینا ہے۔ اس بنا پر کہنے کو جو چاہے کہیئے لیکن حق یہ ہے کہ آمریت ہو یا جمہوریت بہرحال اقتدار ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جس پر سیاست کا دائرہ گھوم رہا ہے اور انسانی قدروں سے براہ راست اس کا تعلق نہیں ہے۔

اس طرح سوچنے اور غور کرنے کا نتیجہ ایک تو یہ ہوا کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب آئندہ "برہان" کے صفحات کو وقتی سیاسیات پر اظہار رائے سے آلودہ نہیں کروں گا۔ یہ چیز ایک روزنامہ یا ہفتہ وار کے لیے تو مناسب اور موزوں ہو سکتی ہے ایک ماہانہ علمی رسالہ کے لیے موزوں نہیں۔ چنانچہ اس مدت میں پاکستان اور ہندوستان میں الیکشن ہوئے۔ عالمِ اسلام کے سربراہوں کے اجتماعات ہوئے۔ اور آج کل بنگلہ دیش کا معاملہ چل رہا ہے۔ لیکن برہان برابر خاموش رہا[1] اور دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خیال

[1] ملا سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے — پہچانتے ہیں ہم اسے جس بھیس میں جو آئے

پختہ ہوگیا کہ معاملہ فسادات کا ہو یا کوئی اور بہرحال مسلمانوں کے کسی معاملہ میں بھی حکومت سے کچھ کہنا سننا اس وقت تک بالکل بے کار ہے۔ جب تک مسلمانوں کی آواز موثر نہ ہو۔ کیونکہ حکومت کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ خود کسی بات کو نہیں مانتی بلکہ بات اس سے منوائی جاتی ہے ۔ یہ پہلے سوال کا جواب تھا ۔

رہا دوسرا سوال جو اکثریت کی ناطرف داری اور بے دخلی سے متعلق تھا ! تو غور کرنے کے بعد اس کا جواب یہ ملا کہ بدقسمتی سے تاریخ نے اس ملک کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان بُعد و افتراق کی ایسی وسیع خلیج پیدا کر دی ہے کہ ہزار جتن کیجیے، قومی یک جہتی کے لیے پرزور تقریریں جتنی چاہیے کر ڈالیے۔ لیکن یہ ناسور ابھی کم از کم ایک ربع صدی اور مندمل نہیں ہوگا اور اس وقت تک قومی یک جہتی کی حقیقت ایک خواب پریشان سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اگرچہ نہایت تلخ ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس کا ہم کو صاف لفظوں میں اعتراف کرنا چاہیے ۔

تیسرے سوال کا جواب :- جب حکومت کی طرف سے مایوسی ہے اور اکثریت کے اشتراک عمل و تعاون کی توقع بھی نہیں ہوسکتی تو بات الٹ پلٹ کے صرف اسی ایک نقطہ پر مرکوز ہوجاتی ہے کہ مسلمانوں کی آواز موثر ہے یا نہیں ؟ اس کا صاف جواب یہ ہے کہ موثر نہیں ہے کیوں ــ؟ اس لیے کہ دنیا میں ایک فرقہ کی آواز اسی وقت موثر ہوسکتی ہے جب کہ اس میں یہ چیزیں پائی جائیں :- "(۱) اعلیٰ تعلیم (۲) صنعت و حرفت اور اس کے ذریعہ مرفہ الحالی (۳) اعلیٰ اور روشن سیاسی فکر (۴) اعلیٰ اخلاقی اور سماجی کردار" اور بدقسمتی سے مسلمان ان چاروں چیزوں میں پسماندہ ہیں۔ اس بنا پر مسلمانوں کی شکایات اس وقت تک ہرگز دور نہ ہوں گی جب تک ان کی اس پسماندگی کا تدارک نہیں ہوگا۔ بس یہی جذبہ تھا جس کے ماتحت "النباء العظیم" کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اب تک سیاسیات۔ معاشیات اور تعلیم پر گفتگو ہو چکی ہے۔ سماجیات پر چل رہی ہے۔ چار پانچ قسطیں اور آئیں گی۔ اس کے بعد مذہب پر گفتگو شروع ہوگی۔

مذہب پر گفتگو کی ضرورت اس لیے ہے کہ ہر وہ شخص جو مسلمانوں کی موجودہ پسماندگی اور ساتھ ہی مذہب کے ساتھ ان کے لگاؤ کو دیکھتا اور اس مذہب کے متعلق اس کے جامع حسنات دینی و دنیوی ہونے کا دعویٰ سنتا ہے طبعی طور پر اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسلمانوں کا مذہب ان کی پسماندگی کا سبب ہے ؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ آج مسلمان فکر و نظر اور عمل و کردار کے اعتبار سے اپنے مذہب کی اصل تعلیمات اور اس کی اسپرٹ سے بہت دور ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو اب سوال یہ ہے کہ (۱) پھر اصل مذہب کیا ہے (۲) نیز وہ کون سے تاریخی اور خارجی عوامل و موثرات ہیں جن کے ماتحت مسلمان اصل مذہب سے دور ہوتے گئے اور اس کے باوجود یہ سمجھتے بھی رہے کہ وہ مذہب کے پیرو کار اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں اسی ضمن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ مذہب کا زندگی سے رشتہ کیوں منقطع ہو گیا اور کاروبارِ حیات میں اس کا ہمہ جہتی عمل دخل کیوں نہیں رہا ؟ " النباء العظیم " کے ماتحت مذہب پر جو گفتگو ہوگی اس میں ان سوالات کا ہی جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔ اس بنا پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سلسلہ کہاں اور کب ختم ہوگا۔

اب رہی یہ بات کہ یہ مباحث تو ایک کتاب کا موضوع ہیں گذارش یہ ہے کہ جی ہاں ! ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ میری اپنی افتادِ طبع اور تصنیف کے معیار کے مطابق جو ترتیب و تہذیب اور تحقیق و تلاش ایک کتاب میں ہونی چاہیے۔ اس کے لیے بعض علمی مشاغل اور کچھ جمعیت خاطر مہیانہ ہونے کے باعث میرے پاس وقت اور فرصت نہیں ہے۔ اس بنا پر " النباء العظیم " کے زیر عنوان جو کچھ لکھا جا رہا ہے یہ سب کچھ بر داشتہ قلم ہے۔ اور اس کی حیثیت امالی " یعنی برسوں کے دماغ میں پکے پکائے خیالات اور افکار کے بے تکلف اظہار کی ہے۔ اگر آپ مجھ سے ایک مرتب کتاب کا مطالبہ فرمائیں گے تو مجھے ڈر ہے کہ پھر نہ یہ ہوگا اور نہ وہ ! البتہ ہاں ! یہ ممکن ہے کہ جب یہ سلسلہ مکمل ہو جائے تو اس کو ہی مرتب و مہذب کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کر دیا جائے لیکن یہ کام بھی کسی اور کو ہی کرنا ہوگا۔ میں خود نہیں کرسکوں گا۔

۶